ہمارا اصل وطن

ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

ہمارا اصل وطن

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز
365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111
یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695
www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

نام کتاب	:	ہمارا اصل وطن
تصنیف	:	ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	علی اکبر قادری
پروف ریڈنگ	:	عبدالجبار قمر
کمپوزنگ	:	محمد یامین
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور
نگرانِ طباعت	:	محمد جاوید کھٹانہ (منہاجین)
زیرِ اہتمام	:	فرید ملت ریسرچ انسٹیٹیوٹ، (www.MinhajBooks.com)
اِشاعتِ اوّل تا پنجم	:	11,200
اِشاعت ششم	:	ستمبر 2003ء (1,100)
اشاعت ہفتم	:	اگست 2005ء
تعداد	:	1100
قیمت عام پیپر	:	-/30روپے

❀❀❀

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو / ویڈیو کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے تحریکِ منہاج القرآن کے لئے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلیکیشنز)

@minhaj.biz

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلیٰ حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَعَلیٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱-۴/۸۰ پی آئی وی، مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴/۰-۹۷-۳-۷، مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء شمال مغربی سرحدی صوبہ حکومت کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱/اے ڈی (لائبریری)، مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء اور آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر مظفر آباد کی چٹھی نمبر س ت/انتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/۹۲، مورخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب ان صوبوں کے تمام کالجز اور سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب لفظ ''کن'' سے روحوں کی تخلیق فرمائی اور انسان کو وعدہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے بعد کرہ زمین کی طرف بھیجا تو سب روحوں نے ''قَالُوْا بَلٰی'' کا اقرار کر کے باری باری اپنا ارتقائی سفر طے کرنا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے انسان کیا تھا؟ اس کی شکل و صورت کیسی تھی؟ اور یہ کہ اس کی ابتدا کب سے اور کہاں سے ہوئی؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی نشاندہی قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کے ذریعہ فرمائی ہے۔

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا ۔	بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر شے ہی نہ تھا۔ (الدہر ۷۶:۱)

یعنی انسان کبھی عدم تھا۔ پھر اس کو روحانی کائنات میں وجود بخشا گیا۔ پھر انسانی روح ارتقائی منازل طے کرتے کرتے پشتِ پدر اور شکم مادر سے مادی وجود کے ساتھ منصۂ شہود پر آئی۔ یہاں پھر جسم اور روح کے باہم ملاپ سے اللہ تعالیٰ انسان کا وجود برقرار رکھتا ہے۔ پھر ایک مخصوص وقت کے بعد جب روح اس قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے اور وہ انسان جو چند لمحات قبل ''احسن تقویم'' کا پیکر تھا اب میت کہلانے لگتا ہے۔

یہاں سے انسانی زندگی کا ایک اور مرحلہ شروع ہوتا ہے جس کا آغاز موت کے بعد ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ مشیتِ خداوندی کے تحت ہوتا ہے۔ جس کا ذکر قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ میں یوں ہو رہا ہے:

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ۔
(طٰہٰ ۲۰:۵۵)

اس (مٹی سے) ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوسری مرتبہ (پھر) نکالیں گے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حیاتِ انسانی کے ان مراحل (Stages) میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل اور دائمی مرحلہ کون سا ہے جسے ہم ابدی ٹھکانہ یا وطن اصلی کہہ سکیں یہاں پھر قرآن ہماری رہنمائی کرتا ہے:

ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّمَا هٰذِهِ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا مَتَاعٌ وَّ اِنَّ الۡاٰخِرَةَ هِىَ دَارُ الۡقَرَارِ ۝
(المومن ۴۰:۳۹)

یہ دنیا کی زندگی تو (چند روزہ) فائدہ اٹھا لینے کی چیز ہے (اور اس کے بعد کی زندگی ابدی زندگی ہے) بے شک آخرت ہی ابدی قرار و قیام کی جگہ ہے۔

وعدۂ اَلَست کی حقیقت

زیر بحث عنوان کے تحت ہم اسی دارالقرار یعنی آخرت کے ساتھ انسان کی نسبت اور تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے اصلی وطن کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو گیا ہے کہ انسانی زندگی عالمِ امر میں ''اللہ'' کے لفظ ''کن'' سے شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ حیاتِ دنیوی کسی خاص مقصد کے لیے عطا کی ہے اور وہ مقصد ''یومِ اَلست'' کے وعدہ کے مطابق رب العالمین کی بندگی ہے۔

پس جب تمام مخلوق نے عالمِ ارواح میں ''اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ'' کے سوال پر ''بلیٰ'' کہہ کر اقرار بندگی کر لیا تو اس آزمائش کی تکمیل کے لیے اسے اس مادی وجود کے ساتھ اس دنیا میں

بھیجا گیا۔ چونکہ یہ دنیا دارالعمل ہے اس لیے اس مرحلہ کی اہمیت' آزمائش و ابتلا کے لحاظ سے مرکزی قرار پائی۔

انسانی زندگی کے تین بڑے مراحل یہ ہیں:

(۱) عالمِ ارواح

(۲) دنیوی زندگی اور

(۳) حیات بعد از موت

ان میں پہلا مرحلہ قبل از ولادت سب کے لیے یکساں ہوتا ہے۔ پھر اللہ رب العزت نے انسان کو عقل و شعور کی دولت سے سرفراز فرما کر دنیا میں بھیجا تا کہ وہ اس کے ذریعے دین حق جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم انبیاء و رسل کے ذریعے واضح دلائل اور روشن براہین کے ساتھ دنیا میں بھیجا پر ایمان لائے۔ پھر دین حق پر ایمان لانے والوں اور اس کو ٹھکرا دینے والوں کے لیے تیسرے مرحلے میں فرق و امتیاز اور جزا و سزا مشئیت ایزدی قرار پائے۔

یہ تینوں ادوار جو مل کر انسانی زندگی کا دائرہ مکمل کرتے ہیں۔ ان میں سب سے قلیل اور مختصر بلاشبہ یہی درمیانی عرصہ حیات یعنی اس دنیا کی چند سالہ زندگی ہے۔ اس میں کامیابی کا دار و مدار جہاں اور کئی باتوں پر ہے وہاں اس کامیابی اور اللہ کی رضا کے حصول میں سب سے زیادہ ضروری فریضہ یہ ہے کہ ہم مالکِ حقیقی کی یاد میں لگے رہیں۔ کافر اور مومن میں فرق ہی یہ ہے کہ کافر موت کو زندگی کا خاتمہ سمجھتا ہے جبکہ مومن موت کو وصالِ یار کا ذریعہ سمجھتے ہوئے ہمیشہ خالق حقیقی کو یاد کرتا رہتا ہے اور اپنے آغاز و انجام کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔

آغاز و انجام سے بے خبری

آج مسلمانوں کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام سے بے خبر ہو رہے ہیں۔ نہ انہیں خدا کے ساتھ کیا ہوا وعدہ بندگی یاد ہے اور نہ ہی وہ اپنے

اصل وطن جو عنداللہ ہے، کو مدنظر رکھے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے ان کا اصل وطن یہ دنیا نہیں۔ بلکہ یہ توان کے سفر کی ایک منزل ہے:

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

وطن اصلی وہ ہوتا ہے جہاں آدمی پیدا ہوتا ہے اور اوائل دور گزارتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص پڑھ لکھ کر جوان ہونے کے بعد ملازمت وغیرہ کے سلسلے میں کسی دوسرے شہر یا ملک میں چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر لاہور کا رہنے والا افریقہ، یورپ یا امریکہ چلا جائے اور وہاں جا کر اسے شہری حقوق بھی مل جائیں، لیکن اس کا اصل وطن پھر بھی لاہور ہی رہے گا۔ کیونکہ یہاں اس کی زندگی کا ابتدائی حصہ گزرا ہے اور یہاں ہی وہ پیدا ہوا ہے۔

وطن سے دوری پر سزا

جس طرح آج مغربی ممالک میں ہر طرح کی معاشرتی برائی پائی جاتی ہے۔ ان یورپی ممالک میں ماحول یہاں کی نسبت بڑا گندہ ہوتا ہے۔ وہاں فسق و فجور، شراب نوشی، بدکاری اور کفر و شرک جیسی غلاظتیں عام ہیں۔ وہاں باہر سے آ کر بسنے والے لوگ دو طرح کے پائے جاتے ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو یہاں سے جا کر اپنے آپ کو اس ماحول میں رچا بسا لیتے ہیں نتیجہ وہ اپنی اصل سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا اصلی وطن کہاں ہے اور وہ یہاں کیسے اور کس لیے آئے تھے۔ اسی حال میں جب کسی وطن فراموش کے دروازے پر موت دستک دیتی ہے اور وہ موت کے آگے سر تسلیم خم کر لیتا ہے تو اس کے ورثاء اس کی مردہ لاش (Dead Body) کو اٹھا کر وطن واپس بھیج دیتے ہیں۔ اب اس کی سب جائیدادیں، گرین کارڈ اور اولادیں وہیں رہ جاتی ہیں اور اس کا مردہ ڈھانچہ پھر اسی وطن آتا ہے جس کو وہ بھول گیا تھا، جس کی تہذیب و اقدار سے وہ نفرت کرتا اور اسے حقارت سے دیکھا کرتا تھا۔

وطن فراموش کی سزا

آج ہزاروں واقعات اس تلخ حقیقت کے شواہد ہیں کہ دیارِ غیر میں جا کر اپنا اصل وطن اور اس کی ثقافت و تہذیب بھولنے والے جب تک زندہ رہتے ہیں ان کے اعزا و اقارب اور حقیقت پسند احباب ان کی اس روش کی بنا پر ان سے ان کی زندگی میں بھی شدید نفرت کرتے ہیں اور جب ان کا جنازہ وہاں سے آ جاتا ہے تو اس پر بھی لعنتیں بھیجتے ہیں کہ کل تک تو یہ ہمارا نام نہیں لیتا تھا' اور اب جب مر گیا تو دفن کروانے کے لیے پھر ہمارے ہاں لانا پڑا۔ یا بصورت دیگر اگر بعد از موت اس شخص کو وہاں رہنے دیا جائے تو بسا اوقات اس کا جنازہ پڑھانے والا کوئی نہیں ہوتا نتیجۃً اس کو وہاں ہی عیسائیوں کے قبرستان میں تجہیز و تکفین اور مسنون اسلامی طریقہ کے بغیر دفن کر دیا جاتا ہے۔

یہ ان وطن فراموشوں کی سزا ہے' جو عیش و عشرت اور رنگ برنگ تہذیب کے فریب میں آ کر اپنے اصلی وطن بھول جاتے ہیں۔ پھر ہر جگہ نفرتیں ان کا استقبال کرتی ہیں اور اپنے بھی بھول جاتے ہیں۔ اس کے برعکس دنیوی اعتبار سے بھی باعزت اور اچھے لوگ وہی تصور کیے جاتے ہیں جو دیارِ غیر میں جا کر بھی اس درمیانی عرصہ میں اپنی اصل نہ بھولیں۔

اصل وطن کی بھول

مسلمانوں کے ہاں اس دنیا کی زندگی اس طرح ہے جس طرح سرائے میں مسافر کچھ عرصہ کے لیے پڑاؤ ڈالتا ہے تاکہ دم لے کر اگلا سفر شروع کیا جائے۔ اسی لیے اقبالؒ نے موت کو حیات کا خاتمہ نہیں بلکہ اس کی تجدید کا نام دیا ہے:

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا ایک پیغام ہے

شومئی قسمت کہ ہم نے اس سرائے کو جو ہمارے سفر کی ایک منزل تھی دائمی ٹھکانہ سمجھ لیا۔

اسی کو وطن بنالیا اور اصلی وطن شعور و نظر سے غائب کر دیا۔ ہمارا کاروانِ حیات اسی روز و شب میں الجھ کر رہ گیا۔ ہم اپنا مقصد اولیں بھول گئے۔ حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ زمین میں اس طرح زندگی بسر کرو، جس طرح ایک مسافر وقت گزارتا ہے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ دنیوی ٹھکانہ ہمارا اصلی وطن ہرگز نہیں بلکہ سفر کی ایک منزل ہے۔

ہمارا اصلی وطن کہاں ہے

ہمارا وطن تو وہ ہے جہاں ہم روزِ اول پیدا کیے گئے اور جہاں ہماری زندگی کا ابتدائی دور گزرا۔

رحمِ مادر سے انسان کا دنیا میں انتقال اس کی حقیقی پیدائش نہیں بلکہ تولد ہے۔ یہ بھی ہمارے سفرِ حیات کی ایک منزل ہے۔ انسان سفرِ زندگی کے ابتدائی دور سے ہوتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور اس کا اختتام وہیں ہوگا جہاں سے آغاز سفر ہوا تھا اور وہ عالمِ ارواح ہے۔

عالمِ ارواح کا انسانی دور

انسانی زندگی کا ابتدائی دور عالمِ ارواح ہے جہاں سب انسان اسی طرح مل جل کر رہتے تھے جس طرح دنیا میں رہتے ہیں۔ وہاں بھی اسی طرح آشنائی بھی انسان گروہوں کی صورت میں رہتے تھے۔ حدیث صحیح اس کی شہادت فراہم کر رہی ہے۔

قالت عن عائشة، سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف۔
(صحیح البخاری، ۱:۴۷۰۔ کتاب الانبیاء)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا کہ روحیں فوج کی طرح جمع ہیں جن میں وہاں آشنائی ہوگی ان کے درمیان یہاں بھی الفت ہوگی اور جو وہاں ایک دوسری سے ناآشنا رہیں وہ یہاں بھی بیگانہ رہیں گی۔

یعنی یہ انسانی گروہ جو دنیا میں باہم مل جل کر رہ رہے ہیں یہ وہاں بھی اسی طرح تھے۔

عالم ارواح کے اس پہلے دور کی تکمیل کے بعد مشئیت ایزدی کے تحت انسان اگلے دور میں داخل ہوتا ہے چونکہ عالم ارواح میں انسانی زندگی ایک الگ نوعیت کی تھی۔ اس دنیوی زندگی سے یہ زندگی قطعاً مختلف اور ایک الگ ماحول میں بسر ہو رہی تھی۔ انسان کو جس اگلے دور میں داخل کیا جا رہا تھا وہاں کے ماحول اور کیفیات حالات کے اعتبار سے اس کے لیے ایک نیا ماحول تھا۔ یہاں کے الگ سے طور طریقے اور تقاضے اس کے لیے اجنبی تھے۔

جس طرح ایک آدمی کو اچانک روشنی سے کسی تاریک کمرے میں داخل کر دیا جائے تو اس کے حواس باختہ ہو جائیں گے۔ یا کوئی بالکل اندھیرے کمرے میں ہو اور اچانک لائٹ جلا دی جائے تو اس روشنی سے آنکھیں ایک بار بند ہو جاتی ہیں اور اسے قبول نہیں کر سکتیں۔ آدمی روشنی کے اس ماحول کو قبول کرنے کے لیے کچھ وقت اسی کیفیت میں گزارتا ہے۔ تب جا کر اندھیرے کی عادی آنکھیں روشنی کو قبول کرتی ہیں۔

رحم مادر کے دور میں حیات انسانی کی حکمت

بالکل اسی طرح جب انسان کو عالم ارواح کی زندگی سے اس دنیا کی زندگی میں منتقل کرنا مقصود تھا' جبکہ یہ ماحول اس سے یکسر مختلف تھا۔ لہٰذا اللہ رب العزت نے انسان کو ان دونوں زندگیوں کے ماحول کی مناسبت سے ایک مختصر عرصے کے لیے ایک سرائے یا قیام گاہ میں رکھا جہاں عالم ارواح کے ماحول سے بھی قدرے مناسبت تھی۔ اس دنیوی زندگی کے ماحول سے بھی مشابہت تھی۔ یہاں اللہ نے کچھ ایسے خصائص جمع کر دیئے جو دونوں زندگیوں سے مطابقت رکھتے تھے۔ تاکہ انسان یکا یک انتقال ماحول سے پریشان اور اداس نہ ہو جائے۔ اسے اس بیگانگی سے محفوظ رکھنے کے لیے پچھلے ماحول سے مطابقت قائم رکھتے ہوئے بندر کھا اور نئے ماحول کے ساتھ مطابقت (Adjustment) کے مرحلے سے گزارا تاکہ وہ آئندہ زندگی کی عادات سے بھی آگاہ ہو سکے۔ انسان کا یہ درمیانی عرصہ جہاں گزرتا ہے' یہی قیام گاہ اس کی زندگی کا دور رحم مادر ہے جہاں کم و بیش اسے مشیت ایزدی کے مطابق تقریباً نو ماہ رہنا پڑتا ہے اور پھر اگلے مرحلے میں

قدم رکھتا ہے۔

زندگی کا حقیقی آغاز

عالم ارواح سے چلتا ہوا یہی انسان باپ کی پشت سے ہوتا ہوا رحم مادر میں داخل ہوتا ہے۔ قدرت نے اسے وہاں اگلے ماحول کے لیے روشناس کرنے کے بعد جب انسان کو اس قابل بنایا کہ اب وہ ان حالات سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اسے ایک خاص اہتمام کے ساتھ اس دنیا میں منتقل کر دیا۔

بطن مادر سے تولد کے بعد اس عالم ناسوت میں داخل ہونے کے مرحلے کو ہم اپنی زبان میں پیدائش کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ زندگی کے سفر کا ایک دروازہ اور مرحلہ ہے۔

یہ محض اس لیے کیا گیا کہ اس کی ہیئت ظاہری تبدیل کر کے اسے دنیا میں بھیجا جائے کیونکہ مجرد روح کو ایک جسم کا لبادہ اوڑھایا جا رہا تھا۔ اس لیے تبدیلی رحم مادر کے پردوں میں کی بایں وجہ بطن مادر سے پیدائش انسان کی حقیقی پیدائش نہیں ہے۔

کاروان حیات مسلسل محوِ سفر ہے

جس طرح ماں کا پیٹ انسان کا وطن نہیں بن سکتا بلکہ ایک مرحلہ اور عارضی ٹھکانہ ہے۔ اسی طرح یہ دنیا کسی شخص کے لیے اس کا اصلی وطن نہیں ہے۔ شکمِ مادر جس طرح ایک دروازہ تھا یہ دنیا کی زندگی بھی اس کی ایک منزل ہے۔ ہم مسلسل محوِ سفر ہیں اور وطن سے کوسوں دور نکل آئے ہیں:

عیش منزل ہے غریبان محبت پہ حرام
سب مسافر ہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم!

یہ الگ بات ہے کہ اس کاروان حیات کے مسافر اپنے اپنے اختیار سے چل رہے ہیں کوئی اس منزل کو ایک ماہ میں اور کوئی پانچ سال میں طے کر لیتا ہے کسی کو پچاس سال گزر

جاتے ہیں اور کوئی ۱۰۰ سال میں اس کو مکمل کرتا ہے۔ تاہم ہر ایک تیزی سے اپنا متعین وقت گزار کر اگلے دور حیات میں داخل ہو رہا ہے۔

موت کی حقیقت

قرآن حکیم میں مذکورہ وعدہ خداوندی کے تحت انسان کو کل نفس ذائقة الموت اور کل من علیها فان کے مرحلوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔

موت بلاشبہ ایک دائمی، قطعی اور ابدی حقیقت ہے اور اس کے مضبوط پنجے کی گرفت سے کسی ذی روح کو مفر ممکن نہیں مگر یہ موت انسانی زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ یہ تو تجدید حیات کا نام ہے۔

حضرت علیؓ نے بھی اس حقیقت کی تصدیق ان الفاظ میں کی ہے۔ آپؓ فرماتے تھے:

الناس نیام فاذا ماتوا انتبهوا۔ (الدرر المنتثرہ للسیوطی: ۱۹۸)

لوگ موت سے مکمل غفلت کی نیند سوئے ہوتے ہیں اور جب ان کو موت آتی ہے تو یہ بیدار ہو جاتے ہیں۔

گویا وطنِ اصلی کو فراموش کر بیٹھنے والے کو موت کے بعد اس کی یاد آئے گی۔

اس لیے موت کو اختتام حیات نہیں بلکہ سبب دوامِ حیات سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اگر اس کو انسانی زندگی کا خاتمہ سمجھ لیا جائے تو انسانی زندگی کے مقصد کا تعین ہی نہیں ہو سکتا۔ بقول اقبال:

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کو نہ کردیتا نظام کائنات
ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھ اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

آہ! غافل موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائداری سے عیاں کچھ اور ہے

جس طرح پیدائش ہماری اصلی تخلیق نہیں بلکہ دنیا میں آنے کا ایک دروازہ ہے۔ اسی طرح موت بھی زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ اگلے دور میں داخلے کا دروازہ اور راستہ ہے۔

ایک دروازے کا نام ولادت ہے۔ دوسرے کا موت اور تیسرے کا عالم برزخ یعنی قبر۔ یہ سب منازل ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہونے کا سبب ہیں۔

وقتِ پیدائش بچے کا رونا

یہاں جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو ہم لوگ خوش ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمیں نئی سنگت مل گئی۔ اور جب یہی انسان مرتا ہے تو ہم روتے ہیں کہ ہم سے اس کی سنگت چھوٹ گئی۔ لیکن اگر پیدائش کے وقت بچے کے رونے پر غور کیا جائے تو سمجھ میں آجائے گا کہ چونکہ وہ اپنا اصلی وطن چھوڑ کر آرہا ہے۔ اسے اپنے پاکیزہ ماحول اور اچھی سنگت سے مفارقت مل رہی ہے اس لیے وہ رو رہا ہے۔ مگر ہم اس بچے سے بھی نادان ہیں کہ اس دنیا کو اصلی وطن سمجھ کر اس میں اس کے آنے پر اپنی نئی سنگت پر خوش ہو رہے ہیں۔ وہ وطن سے دوری پر نوحہ کناں ہے اور ہم ہیں کہ وطن بھول کر بھی ہنس رہے ہیں۔

نشانِ مردِ مومن:

اب یہی انسان جب مرے گا تو اگر وہ زندگی بھر پیدائش کی طرح وطن کو یاد رکھتا رہا اور کبھی اس کو فراموش نہ کیا تو یہاں سے جاتے ہوئے ہنستا ہوا جائے گا۔ کیونکہ وطن کی طرف لوٹتے ہوئے ہر کوئی خوش و خرم ہوتا ہے۔ وہ دم واپسی گویا وطن کی طرف کوچ کرتا ہوا خوش و خرم ہوگا اور ہم اس کے مرنے پر اس لیے روتے ہیں کہ اس سے ہماری سنگت جدا ہو رہی ہے:

نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

یعنی مردِ مومن کے پاس جب موت آتی ہے تو بجائے غم جدائی اور ترکِ دنیا کے خوف میں رونے کے ہنستا اور مسکراتا ہے۔ اس کے لبوں پر تبسم مچلتا ہے' کیونکہ اس نے اس دنیا کو کبھی وطن نہیں سمجھا تھا اس لیے اس کو یہاں سے جاتے ہوئے کسی جدائی کا غم اور احساس نہیں۔ اس کے چہرے پر طمانیت' راحت اور سکون کی کیفیت ہے۔ اس کے برعکس وہ شخص جس نے اس دنیا کو اپنا اصلی وطن بنالیا اور اس وطن اصلی کو بھلا دیا عندالموت وہ خوف و ہراس' غم واندوہ اور پریشانی کے عالم میں اذیت کا سامنا کرتا ہے اور اسی تکلیف میں اس کی روح قبض ہوتی ہے جو آتے ہوئے رویا اور جاتے ہوئے ہنسا۔ اس کو وطن کا احساس ہے۔ لہٰذا مردِ مومن جب دنیا سے جاتے ہیں تو ہنستے مسکراتے جاتے ہیں۔

روحوں کا داغِ مفارقت

جس طرح دنیا میں آنے والے کی سنگت ملی تو ہم خوش ہوئے اور اس کے مرنے پر ہم روتے ہیں۔ اگر ہم عالمِ ارواح میں جا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ روح جو سنگت وہاں سے چھوڑ کر آئی ہے' ان روحوں پر کیا بیت رہی ہے کہ وہ ہزار ہا برسوں کی رفاقت کی مفارقت پر کس طرح روتی ہیں۔ جس طرح عالمِ ارواح کی سنگت چھوڑ کر شکمِ مادر سے ہوتا ہوا بچہ دنیا میں آتا ہے' تو وہ روحیں اس کی جدائی پر روتی ہیں۔ اور ہم خوش ہوتے ہیں۔ اسی طرح موت کے بعد قبر میں جانے سے ہم روتے ہیں اور عالمِ برزخ میں موجود روحیں' نیک شخص کی موت پر اس کا انتظار کرتی ہیں۔ اس کا استقبال کرنے پر وہ خوش ہوتی ہیں کہ پرانا سنگی اس اچھی حالت میں لوٹ آیا۔ موت اگر زندگی کا خاتمہ ہوتی تو یہ روحیں کیوں اس کا استقبال کرتیں اور مسکراتیں۔ عالم برزخ میں انتظار کرنے والی روحیں بھی تو محوِ سفر ہیں لیکن ان کی منزل ان سے کچھ قدم آگے ہے۔ ہم ان کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں جو ہمارے پیچھے چل رہے ہیں۔ یہ سلسلہ سفر ہے جو قائم رہے گا۔ یہ کاروان انسانیت ہر دم محوِ سفر ہے۔ ہم کتنے نادان ہیں کہ اس اصلی وطن کو بھول کر اس عارضی ٹھکانے کو وطن سمجھ رہے ہیں۔

وطن اصلی کو یاد رکھنے کا ثمر

جس طرح عالمِ ارواح سے عالمِ ناسوت مختلف تھا۔ اسی طرح اس عالمِ ناسوت سے عالمِ عقبیٰ و آخرت بالکل مختلف ہیں وہاں تو مومن کے لیے "کن فیکون" کا دور ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص بشرطیکہ وہ کامیاب ہو کر جائے، یہ خواہش کرے گا کہ فلاں چیز کھاؤں تو وہ چشم زدن میں وہاں موجود ہوگی۔ یہاں بندہ مومن کی ہر آرزو پوری ہوگی کیونکہ ان سے اللہ کا وعدہ ہے۔

لَهُمْ مَّا يَشَاۤءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ (الزمر ۳۹:۳۴)

ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں گے۔

دنیوی زندگی میں ثمر

اللہ کو ہر دم یاد رکھنے والے اور اس اصلی وطن کو فراموش نہ کرنے والوں کی جس طرح وہاں خواہشات اور آرزوئیں پوری ہوں گی اسی طرح اس دنیا میں بھی جو ارادہ کریں گے مل جائے گا۔ چونکہ یہ وعدۂ خداوندی مخلوق کے لیے ہی تو ہے جو چیز وہاں مخلوق کے ہاتھوں ہو سکتی ہے وہ اس دنیا میں بھی ہو سکتی ہے۔

اگر ایسا کرنا وہاں شرک نہیں ہوگا تو یہاں کیونکر شرک ہوگا۔ یعنی جو چیز وہاں مخلوق کی بساط میں ہے وہ یہاں بھی ممکن ہے۔ شرک یہاں بھی شرک ہے اور وہاں بھی۔ کفر ہر جگہ کفر ہے اور حق ہر جگہ حق ہے۔ خواہ وہ عالمِ ارواح ہو یا عالمِ ناسوت ہو عالمِ برزخ ہو یا عقبیٰ اور آخرت۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْۤ اَنْفُسُكُمْ۔ (حم السجدہ ۴۱:۳۱)

اور تمہارے لیے وہاں وہ سب کچھ موجود ہے جو تمہارا جی چاہے۔

اس جنت میں جا کر جب بھی دل میں کوئی خواہش جنم لے گی وہ پوری ہوگی۔ وہاں زبان سے کہنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔

جب اللہ کا کرم ہو جائے تو زبان چلانے یا مانگنے کی شرطیں اٹھ جاتی ہیں۔ دوست کو اگر

اس کے مانگنے پر کچھ دیا جائے تو یہ دوستی کی پختگی کی علامت نہیں بلکہ بن مانگے دینا مخلص دوستی کا تقاضا ہے۔

رحمت الٰہی اور ماں کی ممتا:

جس طرح بیٹا اگر نہ بھی مانگے تو اس کے ماں باپ اس کی جملہ حاجات کو پورا کرتے ہیں۔ بعض اوقات تو بچے بھاگتے ہیں مگر ماں ان کو پکڑ کر دودھ پلاتی ہے۔ کھانا کھلاتی ہے۔ یا ان کی ضرورت کی کوئی اور چیز دیتی ہے۔ اس لیے کہ ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت بچے کے مانگنے کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ اس کے مانگے بغیر ہی اس کو اپنی شفقتیں اور ہر ممکنہ راحتیں دیتے رہتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اس کی ضرورتوں اور حاجتوں کا احساس ہوتا ہے۔ یہی حال قریبی دوست احباب کا ہوتا ہے کہ جہاں قریبی تعلقات ہوں وہاں مانگا نہیں کرتے۔ کیونکہ فرمائش تو ہوتی ہی غیروں سے ہے۔

لیکن یہاں تو اللہ اور بندے کا تعلق ماں اور بچے کے تعلق سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اگر ماں کی ممتا بغیر بچے کے روئے اور مانگے اس کی ضرورتیں پوری کرتی ہے تو اللہ کریم کی رحمتیں اور عنایتیں اپنے بندوں کی طلب کے بغیر کیونکر نہیں نازل ہو سکتیں۔ کیونکہ وہ تو بہر حال ایک بچہ کی ماں سے زیادہ اپنے بندوں پر کرم کرنے والا اور ان کی حاجات کو جاننے والا ہے۔

مقامِ بندگی اور شانِ بندہ نوازی

اس لیے اللہ اپنے مقبول بندوں کو اپنی نوازشاتِ کریمانہ سے اتنا نوازتا ہے کہ وہ نظامِ عالم کو یہ امر دے دیتا ہے کہ بندہ چونکہ اپنا ہے یہ جو چاہتا ہے تو اسی طرح بدل جا۔ اس کی خواہش کی تکمیل بھی میری ربوبیت کے ضابطوں میں شامل ہے۔ لہٰذا ان کے کہنے پر اگر نظامِ قدرت کہیں بدل بھی جائے تو اس سے میرے نظامِ قدرت کے قاعدوں میں اور قانونِ مشیت کے تقاضوں میں کوئی خلاف ضابطہ بات رونما نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہ ضابطے بھی میں نے وضع کیے ہیں اور یہ

بندے بھی میرے ہی ہیں۔ اگر میں اس نظام کو ان کی خواہش کی خاطر کچھ وقت کیلئے بدل بھی دوں تو اس سے میری ربوبیت میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔

مقامِ عبدیت اور نظامِ شمسی

یہ حقیقت ہے کہ کائنات ارضی وسماوی کے جملہ معاملات اور نظام با قاعدہ اور باضابطہ طور پر ایک مخصوص نظام کے تحت روبہ عمل ہیں۔ یہ موسموں کا بدلنا اور گردشِ لیل ونہار سب اسی نظامِ قدرت کے مظہر ہیں، سورج، چاند، ستارے اور کہکشائیں، سب قانون خداوندی کے تابع ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَالِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔ (یٰسین، ۳۶:۳۸)

اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا چلا جاتا ہے یہ (طلوع وغروب کا جملہ نظام بھی) اس صاحب قدرت اور باخبر (اللہ) کا ایک مقرر کیا ہوا اندازہ ہے (جس میں سرمو فرق نہیں آتا)۔

مگر قرآن خود ہی ایک مقام پر یہ شہادت بھی فراہم کرتا ہے کہ نظام شمسی اپنے تمام قواعد وضوابط ترک کر کے تین سونو (۳۰۹) سال تک اصحابِ کہف کے آرام کی خاطر راستہ چھوڑ کر طلوع اور غروب ہوتا رہا۔ تاکہ غار میں رہنے والے اصحاب کہف کو دھوپ کی وجہ سے تکلیف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی تکلیف گوارا نہ ہوئی اور نظامِ شمسی کو حکم دے دیا کہ اپنے مقررہ راستے سے ہٹ کر طلوع ہوا اور غروب ہو۔

چنانچہ قرآن حکیم اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے:

وَ تَرَی الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزَاوَرُ

اور آپ دیکھتے ہیں جب سورج طلوع

عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ اِذَا	ہوتا ہے تو انکے غار سے دائیں طرف
غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ	ہٹ جاتا ہے اور جب غروب ہونے لگتا
هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ۔	ہے تو ان سے بائیں جانب کترا جاتا
(الکہف ۱۸:۱۷)	ہے اور وہ غار کے کشادہ میدان میں
	(لیٹے) ہیں۔

اللہ جل مجدہ حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے۔ محبوب دیکھ تو سہی ہماری شفقتوں کی کیا کیفیت ہے کہ میرے بندے غار میں تھے اور جب سورج طلوع ہوتا تھا تو ایک دو سال نہیں تین سو نو (۳۰۹) سال تک طلوع ہوتے بھی راستہ چھوڑ کر دائیں طرف ہٹ جاتا اور غروب کے وقت بھی بائیں طرف ہٹ جاتا۔

قابل غور نکتہ

یہ ہے کہ یہاں اصحاب کہف سوئے ہوئے تھے۔ اگر وہ حالت بیداری میں ہوتے تو وہ خواہش یا طلب کر سکتے تھے مگر یہاں تو نہ خواہش ہے نہ طلب بلکہ ان کی ضرورت کے پیشِ نظر اللہ نے ۳۰۹ سال تک نظامِ قدرت تبدیل کیے رکھا۔ دراصل یہ سارا نظام عالم اللہ کے بندوں کے لیے سرگرم عمل ہے:

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
یہ جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

اسی حقیقت کے پیش نظر اقبال نے یہ کہا ہے:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

وہ لوگ جنہوں نے اصلی وطن کو دنیا میں آ کر بھی فراموش نہ کیا ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہاں موت کے بعد بھی یہ مقام ہے اور یہاں یعنی دنیا میں بھی ان کی خواہشات کا

اسی طرح احترام کیا جاتا ہے۔

میت کو قبر میں دفن کرنے کا اسلامی فلسفہ

جس طرح آدمی کو عالمِ ارواح سے عالمِ ناسوت میں منتقل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں درمیانی عرصہ کے لیے رکھا' اسی طرح عالمِ ناسوت سے عالمِ عقبیٰ میں جانے والے مسافر کی درمیانی قیام گاہ قبر ہے جہاں اسے پچھلی زندگی اور بعد میں آنے والی زندگی کی مطابقت مہیا کی جاتی ہے۔ جس طرح پیٹ میں دونوں عالموں کا رنگ دکھایا گیا اسی طرح قبر میں بھی دونوں عالموں کا رنگ ہوتا ہے جبکہ میت کو قبر میں چھوڑ کر آنے والے یہی سمجھتے ہیں کہ بس اب مر گیا۔ حالانکہ نہ وہ مرا ہے اور نہ ہی ختم ہوا ہے بلکہ اس عالم سے اگلے عالم میں جانے کے لیے درمیانی سرائے میں آرام کی خاطر اترا ہے۔

یادِ وطن میں رونا

اگر ہمیں کامیابی چاہیے تو اس کامیابی کا حصول تب ممکن ہے کہ آج ہم اپنے وطن کو یاد کریں اور وطن کو یاد کرنے والے وطن سے باہر رہ کر ہنسا نہیں کرتے۔ رویا کرتے ہیں لیکن ہم نے وطن کو بھی فراموش کر دیا اور رونا بھی بھول گئے اور وطن کو فراموش کر کے اس کی شفقتوں' رحمتوں اور قرب و وصال کی لذتوں سے بچھڑ گئے ہیں۔ اس زیاں کاری پر مزید غفلت یہ ہے کہ ہم احساسِ زیاں سے بھی محروم ہیں:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

مولانا رومؒ کی زبانی فراق و ہجر کی پُر کیف داستان

کاروانِ عشق و مستی کے امیر مولانا رومیؒ نے اپنی مثنوی شریف جسے اقبال جیسے دانائے راز نے ''ہست قرآن در زبان پہلوی'' کہہ کر فارسی میں قرآن کا درجہ دیا ہے۔ کی ابتدا ہی اسی فراق کے اظہار سے کی ہے۔ جس فراق کو ہم بھول گئے ہیں:

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

ترجمہ: بانسری سے سن یہ کیا بیان کرتی ہے اور اپنی جدائیوں کا درد کس طرح بیان کرتی ہے۔ جس طرح صوفیاء ہر مجاز سے حقیقت کی راہ تلاش کرتے ہیں بعینہ مولانا رومؒ ان اشعار میں بذریعہ تمثیل انسان کی محبوبِ حقیقی سے جدائی کی داستان بیان فرما رہے ہیں اور روح سے بانسری مراد لے کر اس کی جدائی کا دردناک نالۂ فراق بیان کرر ہے ہیں۔

کہ اے انسان اس بانسری کی پرسوز آواز کو ذرا سن اور غور کر کہ یہ جو رو رہی ہے تو اس (کے پس منظر) میں یہ کیا قصہ بیان کرتی ہے۔ دراصل یہ اپنی کئی جدائیوں کا قصہ بیان کر رہی ہے۔ خدا جانے اسے کتنی جدائیوں کے غم ہیں اور اسے کتنی قربتوں اور صحبتوں سے محروم ہونا پڑا ہے جنہیں یاد کر کے یہ روتی ہے۔

انسان کی روح کیوں روتی ہے؟

مولانا روم انسان کے رونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

کز نیستان تامرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

بانسری چونکہ بانس کی لکڑی کی بنی ہوئی ہوتی ہے اس لیے کہتی ہے کہ:

''جب سے مجھے بانس کے جنگل سے کاٹ دیا گیا ہے میرے نالہ سے مرد وزن سب روتے ہیں۔''

مراد یہ ہے کہ جب اس روح کی بانسری سے پوچھا جاتا ہے کہ تو کیوں روتی ہے اور تڑپتی ہے۔ وہ کونسی جدائیاں ہیں جو تجھے ہر وقت پیچ و تاب میں رکھتی ہیں، کون سے غم ہیں جن کا تو شکوہ کرتی ہے۔ تو وہ بتاتی ہے کہ جب سے مجھے اپنے اصل وطن سے کاٹ لیا گیا' اس وقت سے میری یہ حالت ہے اور اس جدائی کے نالے اس قدر دردناک اور پُراثر ہیں کہ میری آہ وزاری سننے

والے سب مرد و عورت بھی میرے ساتھ مبتلائے درد ہو جاتے ہیں۔

اور یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ میں اپنے اصلی وطن سے جدا ہوں۔ مجھے رہ رہ کر اس کی جدائی اس طرح رلاتی ہے۔ بانسری کی اس آواز پر وہی لوگ روتے ہیں جن کو محبوب کی صحبت سے مفارقت اور جدائی کے درد کا اندازہ اور احساس ہو ورنہ انہیں اس پاکیزہ ماحول کا غم اور اس دنیا کی کثافتوں میں روح کی موت کے سامان دیکھ کر بھی افسوس ہوتا ہے۔

جس طرح عارف ربانی سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ اپنے ان پنجابی شعروں میں اس جدائی اور نفس کی آفتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کن فیکون جدوں فرمایا اساں بھی کولوں ہاسے ہو
ہے ذات صفات ربیدی آہی کے جگ ڈھنڈیاسے ہو
کے لامکاں مکان اساڈا کے آن بتاں وچ پھاسے ہو
نفس پلیت پلیتی کیتی باہو کوئی اصل پلیت تاں ناسے ہو

درد دل سے نا آشنا دل کی لگی کو کیا جانیں

ان بے درد شقی القلب لوگوں کو کیا معلوم کہ جن کے دل پر ہجر و فراق کا ہتھوڑا لگا ہو اور جو آتشِ عشق میں جل رہے ہوں انہیں یاد وطن کس طرح مصروف رکھتی ہے۔ یہ تو وہی جانتے ہیں جو فراق کی آگ میں خود جل رہے ہوں ورنہ ہم جیسے وطن فراموش لوگوں کو کیا خبر کہ ہمارا اصلی وطن کیا تھا اور وہاں کی سنگتیں اور محبتیں کیسی تھیں، جنہیں وطنِ اصلی کی وہ سنگتیں یاد ہیں وہ تو آج بھی چین کی نیند نہیں سوتے۔

حضرت سلطان باہوؒ اور یادِ وطن

اس وطن کی یاد کے متعلق اپنی کیفیت یوں بیان فرماتے ہیں:

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ سنیا دل میرے نت قَالُوْا بَلٰی کو کیندی ہو
حب وطن دی غالب ہوئی ہک پل سون نہ دیندی ہو

جب اس وطن کی محبت تڑپاتی ہے تو پھر نیندیں اچاٹ ہو جاتی ہیں۔ پھر لوگ سو رہے ہوتے ہیں مگر یہ لوگ اس وقت بھی وطن کی یاد میں روتے ہیں۔ انہیں اس دنیا کی جملہ رنگینیاں اس یاد سے غافل نہیں ہونے دیتیں۔ مذکورہ بالا رباعی کا اگلا شعر اسی حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

قہر پوے تیتوں رہزن دنیا توں تاں حق دا راہ مریندی ہو
عاشقاں مول قبول نہ کیتی باہوؒ توڑے کر کر زاریاں روندی ہو

حضرت میاں محمد بخشؒ اور کیفیت عشق:

وعدہ اَلست پر صحیح معنوں میں عشاق ہی کاربند ہوتے ہیں جو بظاہر مجنوں اور پاگل نظر آتے ہیں کیونکہ ان کے سامنے اور کوئی وعدہ اس محبوب حقیقی کے وعدے سے زیادہ عزیز نہیں ہوتا۔ ان کی جگر سوزی اور آہ و زاری بس اپنے محبوب کی رضا کے لیے ہوتی ہے۔

عارف کھڑی میاں محمد بخش رحمتہ اللہ علیہ عاشق کی اس حالت کو جب اپنے الفاظ میں پرسوز شعروں کی لڑیوں میں پروتے ہیں تو یوں کہتے ہیں:

کر کر یاد سجن نوں کھاندے بھن بھن جگر نوالے
شربت وانگ پیادے ہتھوں پیون زہر پیالے
تاج تخت سلطانی تج کے ٹھوٹھا پھڑن گدائی
رکھ امید سجن دے در دی کٹن جوبن آئی !
رات وہاں گل لایا جانی ہک دم جدا نہ ہوندے
عاشق رجن نہیں محمدؒ بھر بھر ہنجو روندے!

انہیں ہر وقت محبوب سے کیے ہوئے وعدے کی تڑپ اور اس کی محبت بیتاب رکھتی ہے۔ ان کے جسم کا ایک ایک بال اللہ کی یاد میں محو ہوتا ہے چنانچہ آپ بھی یوم الست کے اس وعدے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہک دلبرنوں دل وچ رکھن سبھ خلقت تھیں نسن

ویدن دید نہ جانن مولے کھو کی دار و دن

کن آواز پولے ہر ویلے پہلے قول الستوں

قالوا بلیٰ کو کیدے بھائی اوسے ذوقوں مستون

قالوا بلیٰ تو سب نے کہا تھا مگر اس پر کار بند رہنے والے ہی اسے آج تک اسی حالت میں اپنے کانوں میں محسوس کرتے ہیں لیکن وطن فراموش اس وعدے سے بے خبر ہیں۔

حضرت پیر مہر علیؒ

اسی طرح عالم ارواح کی محبتیں اور مناظر کا ذکر کرتے ہوئے پیر مہر علی شاہ صاحب فرماتے ہیں:

اجے وی سانوں اوہ پئے وسدے بیلے بوٹے کا ہی

مہر علی شاہ رل تاہیوں بیٹھے جداں سک دوہاں نوں آہی

یہاں آپ اسی انجمن کا ذکر کر رہے ہیں جو اجڑ گئی ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے آج بھی دور صحرا وطن کے ٹیلے اور دوستوں کی نشست گاہوں کے مناظر گھوم رہے ہیں۔ جب محبوب کی نگری میں ہم دیوانہ وار پھرتے تھے۔

حضرت بابا فریدؒ فرماتے ہیں

''وسدے ہاسے تے وسدے ناسے تری جھوک دے آسے پاسے''

یعنی جب ہم محبوب کے دیدار کے جام پیتے تھے' اس کے اردگرد پھرتے تھے۔ کبھی سامنے سے تکتے تھے اور کبھی پیچھے سے' کبھی محبوب کے لب لعلیں سے باتیں سنتے تھے اور کبھی خاموش رخ محبوب کو دیکھتے' الغرض ایک پل کے لیے بھی محبوب سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ ''تیری جھوک دے آسے پاسے'' جہاں تو بٹھاتا تھا بیٹھ جاتے تھے۔ دور کرتا تھا دور ہو جاتے تھے۔ قریب بلاتا تو قریب ہو جاتے تھے لیکن اپنے ڈیرے تیری جھوک کے قریب قریب ہی تھے۔ بس روح کو

جب یہ مناظر یاد آتے ہیں تو وہ تڑپتی اور روتی ہے۔ چیخ و پکار کرتی ہے۔ چاہے وہ روح حضرت جنیدؒ یا بایزیدؒ کے روپ میں ہو یا عطارؒ و رومیؒ جیسے عشاق کی روحیں ہوں۔ پیر مہر علیؒ اور سلطان باہوؒ کی آہیں ہوں یا محمد بخشؒ اور بابا فریدؒ کے درد و فراق اور ہجر کے منظوم نالے سب دراصل اسی غمگین روح کی فریادیں ہیں۔

روح کی اس حالت کو ہر کوئی اپنے اوپر قیاس کرتا ہے

ان فریادوں کو جب ہم سنتے ہیں اور وطن کی یاد میں رونے والے کشتۂ خنجر ہجر محبوب میں آہ و زاری کرنے اور راتوں کو بستروں سے اٹھ اٹھ کر سسکیاں بھرنے والوں کو دیکھ کر ہم میں سے ہر کوئی وطن فراموش یہ سمجھتا ہے کہ میری طرح اس کا بھی کوئی دنیوی مال و اسباب کا نقصان ہو گیا ہے۔ اس کا کوئی رشتہ دار عزیز فوت ہو گیا ہے یا کسی بیماری میں مبتلا ہے شفا نہیں ملتی اس لیے راتوں کو اٹھ اٹھ کر تڑپتا ہے۔ لیکن اس بیقراری کو تو وہی جانتے ہیں جو اس آگ میں خود جل رہے ہوں۔ میاں محمد بخشؒ نے اس منظر کی کیا خوب نقشہ کشی کی ہے:

رات پوے تے بے درداں نوں نیند پیاری آوے
درد منداں نوں تانگ سجن دی ستیاں آن جگاوے

روح ان درد ناشناس لوگوں سے پکار کر کہتی ہے کہ تم میری اس حالت کو اپنے اوپر قیاس مت کرو۔ اگر سب کچھ بھی لٹ جاتا تو مجھے اس کا غم نہیں تھا لیکن کیا کروں کہ جس کی نسبت سے سب کچھ ہے، وہی بچھڑ گیا۔ میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ میرا محبوب لٹ گیا ہے اور سنگت اور محبت اجڑ گئی ہے۔ اصل وطن کی یاد میں پریشان اور مضطرب رہنے سے ہی محبوب حقیقی کی یاد دل میں قائم رہ سکتی ہے۔ محبوب حقیقی کی یاد میں آہ و زاری چیخ و پکار سے ہماری روحوں کی وادیوں میں گونج پیدا ہو جائے تو ہماری عاقبت بھی سنور سکتی ہے اور دنیا بھی، پھر ہم بھی اللہ کی نوازشات کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ:

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

''جو کوئی اپنی اصل سے دور ہوتا ہے۔ وہ اپنے وصل کا زمانہ پھر تلاش کرتا ہے''۔

ٹوٹے دل کا حال کسے سناؤں؟

اس کے بعد مولانا رومؒ روح کی آرزو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ اپنی طرح کسی دردمند اور مضطرب سینے کی خواہشمند ہے۔

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح درد اشتیاق!

''مجھے یہ حال جدائی سنانے کے لیے ایسا سینہ چاہیے جو جدائی سے پارہ پارہ ہو۔ تاکہ اسے میں عشق کے درد کی تفصیل سناؤں مگر کوئی سینہ ہجر و فراق سے پھٹا ہوا ملے تو سناؤں اور کوئی دیوانہ عشق اور پاگل ملے تو بتاؤں۔ جس کو محبت اور محبوب سے جدائی کے درد کا اندازہ ہو تو اسے میں بھی اپنا نالہ و فراق سناؤں۔ مگر یہاں تو کوئی چاک گریبان مجنوں ہے ہی نہیں جو لیلیٰ کی تلاش میں صحرانوردی کرتا دکھائی دے۔

کینوں حال سناواں ولدا
کوئی محرم راز نہ ملدا

یہ حقیقت ہے کہ بھوکے کو ہی بھوک اور پیاسے کو پیاس کی شدت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ تپتی دھوپ میں کام کرنے والوں کی مشقت کا اندازہ ایرکنڈیشنز کمروں میں آرام دہ کرسیوں پر بیٹھنے والے کیا لگا سکتے ہیں۔

چنانچہ روح کہتی ہے کہ میں ہر جگہ روتی ہوں مگر لوگ ہیں کہ میری فریاد کو سمجھتے ہی نہیں۔

من بہر جمعیتے نالاں شدم
جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم

ہر کسے از ظن خود شد یار من
وز درون من نہ جست اسرار من

(''یعنی میں ہر مجمع میں روئی' خوش اوقات اور بد احوال لوگوں کے ساتھ رہی۔ ہر شخص اپنے خیال کے مطابق میرا یار بنا لیکن میرے اندر سے میرے رازوں کی جستجو نہ کی۔'')

جسم روح سے کیوں بے خبر ہے

اس کے بعد وہ اس بے خبری کی وجہ بتاتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

سر من از نالہ من دور نیست
لیک چشم ، گوش را آں نور نیست

(''اگر غور کیا جائے تو میرا راز میرے نالوں سے دور نہیں ہے' ہر کوئی میرے نالوں کو سن کر میرے چھپے ہوئے غم سمجھ بھی سکتا ہے۔ لیکن دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان اس نور باطنی سے محروم ہیں جس سے میرا راز دیکھ اور سن سکیں'')

اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ:

تن زجان و جاں زتن مستور نیست
لیک کس را دید جاں دستور نیست

(''یعنی کون سنے اور سمجھے۔ حالانکہ بدن روح سے اور روح بدن سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔)

دونوں ایک دوسرے کے قریب بھی ہیں مگر ایک دوسرے سے غائب اور نا آشنا ہیں۔ جسم پھر بھی اپنی جان کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی وجہ مولانا روم نے اس طرح بیان فرمائی:

محرم ایں ہوش جز بے ہوش نیست
مر زباں را مشتری چوں گوش نیست

صرف بظاہر قریب ہو جانے سے حقیقی قربت نصیب نہیں ہوتی بلکہ جب تک قوت مدرکہ نصیب نہ ہو' جس سے جان کو دیکھا جا سکتا ہے اور دیکھنے والی آنکھ نہ ہو جو شے کی اصل حقیقت

کو دیکھتی ہے وہ اس روح کو نہیں دیکھ سکتی۔ اسی طرح جب تک درد محسوس کرنے والا سینہ اور پر سوز دل نہ ہو اس وقت تک رونے کی کیفیت سمجھ نہیں آتی۔ جسے حقیقت میں آنکھ میسر ہے وہ یہ سب کچھ دیکھ اور سمجھ لیتا ہے۔

وطن کی یاد، محبوب کی صحبت و مجلس کی تڑپ اور شوق دید کا اضطراب اور لقائے یار کی تمنا میں ہر وقت غرق رہنا ایسا ہوش ہے جو اس مقصد کے حصول کے علاوہ بے ہوش ہوئے بغیر نہیں ملتا۔ یہ ہوش ایسی بقا ہے جو فنا کی لذتوں سے آشنا ہوئے بغیر نہیں میسر آ سکتی۔

باہوشی کی یہ کیفیت اس دنیا اور اس کی طلب سے بے ہوش ہونے پر ملتی ہے۔ جب تک انسان اس دنیا کے حصول میں بے ہوش ہے ادھر باہوش نہیں بن سکتا لیکن جب ادھر سے بے ہوش، بے خبر اور بے طلب ہو جائے تو ادھر کا ہوش مل جاتا ہے اس لیے کہ:

''ہر زباں را مشتری چوں گوش نیست''

یعنی زبان کی بات کان ہی قبول کرتے ہیں۔ باقی جسم کے جملہ اعضاء اپنی اپنی جگہ امتیازی اہمیت کے حامل ضرور ہیں، مگر زبان کے خریدار اور قدر شناس تو کان ہی ہیں۔ اس کی بات آنکھ، ناک، منہ اور ہاتھ وغیرہ کو سمجھ نہیں آ سکتی۔ اس لیے کہ ان کے پاس وہ حس سماعت ہی نہیں کیونکہ باقی حواس اربعہ کو اس حس سے محروم رکھا گیا ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں:

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا

لہٰذا مولانا رومؒ یہاں یہی سبق دینا چاہتے ہیں کہ روح کی اس آواز اور فریاد کو سننے کی صلاحیت پیدا کرو، وہ کان پیدا کرو جن کو ادھر کا ہوش ہو۔ کیونکہ:

بر سماع راست ہر کس چیز نیست!
طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست

(''سچی بات سننے پر ہر شخص قادر نہیں ہے اور انجیر ہر حقیر پرندہ کی خوراک نہیں ہے۔)

بند بگسل باش آزاد اے پسر
چند باشی بند سیم و بندِ زر

("اے بیٹے! قید کو توڑ کر آزاد ہو جا۔ سونے چاندی کی ہوس میں دنیا کا قیدی کب تک رہے گا۔")

یہاں مولانا رومؒ یہ حقیقت سمجھا رہے ہیں کہ انسانی روح کے لیے اس کا نفس اور اس کی خواہشات کی فرمانبرداری سب سے بڑی قید ہے، جو انسان کی روحانی ترقی میں ہمیشہ رکاوٹ کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس لیے جو شخص بندہ مومن ہے وہ اس کی قید سے آزادی کو ہی ایمان کی سلامتی سمجھتا ہے۔

روح کی پہچان کا اکسیر نسخہ

مولانا رومؒ اس سلسلے میں روح کی پہچان کے لیے ایک اکسیر نسخہ جو ہر روحانی بیماری کا علاج اور نفس کی قید سے آزادی کا بہترین ذریعہ ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ:

ہر کرا جامہ زعشقے چاک شد
اوز حرص و عیب کلی پاک شد

("جس کا جامہ (قلب و جگر) عشق کی وجہ سے چاک ہوا (محبت کے تیروں نے جس کا سینہ چھلنی کر دیا) وہ حرص و عیب جیسی روحانی بیماریوں سے کلی طور پر پاک ہو گیا۔")

لہٰذا جہاں عشق کی آگ لگی ہو گی وہاں نفسانی خواہشات اور داعیات سے انسان آزاد ہو کر اسی آگ میں جلتا رہیگا اور جس کو یہ جلن نصیب ہو جائے، وہ خوش نصیب شخص ہر روحانی بیماری سے شفاء پا لیتا ہے۔

عشق کی تعریف عرفاء نے اسی لیے یوں کی ہے کہ

"العشق نارٌ یحرق ماسوٰی المحبوب"

یعنی عاشق کے لیے اس عشق کی آگ ایسی آگ ہے جو اس کے قلب و روح سے ہر

چیز کو جلا کر ختم کر دیتی ہے اور باقی صرف محبوب کی یادیں' اس کی محبت' اور اس کی چاہت ہی اس کا سب کچھ ہوتی ہیں۔

یہاں مولانا رومؒ اس عشق کو دعائیں دیتے ہیں کہ اے عشق تیرا بھلا ہو کہ تو نے ہماری بیماریوں کا علاج کر دیا۔ لہذا تو ہی ہمارے لیے سب سے بڑا حکیم ہے:

شاد باش اے عشق خوش سو دائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

(''خوش رہ اے ہمارے طبیب جنون والے عشق' اے ہماری تمام بیماریوں کے حقیقی طبیب' اے ہمارے تکبر اور عزت طلبی جیسی روحانی بیماریوں کی دوا' تو ہی ہمارا (حکیم) افلاطون اور جالینوس ہے۔'')

لہذا روح کی پہچان کا کوئی نسخہ عشق کی آگ سے زیادہ مؤثر نہیں' اور جنون عشق کے سامنے باقی ہر دوا اس کے علاج میں ہیچ اور بے اثر ہے۔

جب روح بیدار ہو جائے تو نیندیں اڑ جاتی ہیں

جب وطن کی یاد اور محبوب کی محبت سے روح بیدار ہو جائے اور عشق کی آگ لگ جائے اور سینوں میں اس کے بھانبڑ جلنے لگیں تو پھر سکون ختم ہو جاتا ہے' پھر وہ لوگ سوتے کم ہیں جاگتے زیادہ ہیں۔ ہنستے کم ہیں' روتے زیادہ ہیں۔ محبوب کی دید اور ملاقات کے لیے بے چین ہو کر مچلتے ہیں۔ جب ہم بزرگوں کے متعلق یہ سنتے ہیں کہ وہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز چالیس سال تک پڑھتے رہتے تھے۔ تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ ان کو اپنے اصلی وطن کی یاد ستاتی تھی۔ انہیں بچھڑے ہوئے دوست کا وصال مطلوب تھا۔ اور اسی وصال یار کی طلب میں ان کو نیند ہی نہیں

آتی تھی۔

جس کا محبوب جدا ہو جائے:

غم جدائی تو غم ہی ایسا ہے جس میں انسان تو انسان حیوانات' چرند پرند آرام نہیں کرتے' کسی بھی جانور کو لے لیں ان کا بچہ گم ہو جائے یا کوئی مار دے' چڑیا کے بچے کو اگر کوئی اٹھا لے تو وہ کتنا چیخ و پکار کرتی ہے۔

اسی طرح اگر کسی ماں کا لخت جگر اس سے جدا ہو جائے تو وہ کب سوتی ہے اس کے لیے سب آرام ختم ہو جاتے ہیں پھر جن کا وہ محبوب حقیقی ان سے جدا ہو گیا ہو' جس کی رضا ان کے لیے دنیا کی ہر چیز سے عزیز ہو بھلا اس کی جدائی میں وہ کیونکر آرام سے سوئیں گے۔

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

یہ امر واقع ہے کہ آج تک کوئی تڑپنے پھڑکنے اور محبوب کی یاد میں راتوں کی تنہائیوں میں روئے بغیر کچھ نہیں بن سکا۔ جس نے وطن کو جتنا یاد کیا' جو جس قدر اس کی یاد میں جاگا' اسی قدر اونچے مرتبے پر فائز ہو گیا۔ جس نے نرم و گرم بستر وں کو دوست رکھا وہ ناقص اور نکما رہا اور جس نے وطن کی یاد میں اپنے پہلو بستر سے جدا رکھے وہی خدا کا محبوب بن گیا۔

اسی لیے شاعر حکمت شناس علامہ اقبالؒ نے کہا:

عطارؒ ہو رومیؒ ہو رازیؒ ہو غزالیؒ ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

امام اعظم ابو حنیفہؒ وطن کی یاد میں

اولیاء و عرفا کے متعلق تو اکثر کہا جاتا ہے کہ وہ راتوں کو نہیں سوتے تھے بلکہ عبادت میں مصروف رہتے تھے لیکن علم کی دنیا کے امام اعظم فقیہ امت ابو حنیفہؒ کی بھی یہ حالت تھی کہ وہ چالیس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے رہے۔ آپ کے معمولات کے متعلق آپ کے تلامذہ میں سے ایک شخص بتاتے ہیں کہ میں تین دن تک امام اعظم کو دیکھتا رہا۔ آپ صبح سے ظہر تک

طلباء کو پڑھاتے ظہر کی نماز پڑھ کر کھانا کھاتے پھر تھوڑا آرام کرتے اور دوبارہ درس و تدریس اور وعظ میں مصروف ہو جاتے۔ یہاں تک کہ عشاء ہو جاتی۔ امام اعظمؒ ایک جگہ بیٹھ کر مسلسل مصروف رہتے۔۔۔ راوی کہتے ہیں کہ میں یہ دیکھ کر سوچتا کہ اب سارا دن اس قدر علمی و ذہنی مصروفیت کے بعد رات کو آرام فرمائیں گے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ آپ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لے گئے۔ وہاں سے کپڑے تبدیل کیے رات کا لباس پہنا اور چپکے سے مسجد میں آ گئے۔ مسجد کے کونے میں کھڑے ہو گئے اور نوافل شروع کیے۔ میں دیکھتا رہا اور جاگتا رہا۔ نماز فجر کا وقت ہو گیا لیکن وہ مسلسل نماز میں مشغول رہے۔ میں نے سمجھا شاید آج ہی ایسا ہوا ہے۔ اگلے دن پھر اسی طرح بھرپور مصروفیات رہیں۔ پھر جب عشاء ہوئی تو کپڑے بدل کر مسجد میں پہنچ گئے۔ اور پچھلی رات کی طرح پوری رات نوافل میں گزار دی حتی کہ میں انہیں متواتر تین دن اسی طرح شب و روز مصروفیات میں دیکھتا رہا۔ لیکن بلا ناغہ رات کو مسجد میں پاتا۔

اسی طرح قاضی شمس الدین ابو العباس ابن خلکان برمکی نے اپنی کتاب ''وفیات الاعیان'' میں یزید بن الکمیت کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے امام اعظمؒ کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی۔ علی بن الحسین نامی ایک شخص نے سورۃ ''اذا زلزلت'' کی تلاوت کی۔ جب نماز پڑھ کر سب لوگ چلے گئے تو امام ابو حنیفہؒ اپنی جگہ غور و فکر میں مصروف رہے۔ میں چلا گیا۔ صبح کو چراغ لینے کے لیے مسجد میں آیا دیکھا تو:

و هو قائم و قد اخذ بلحيته نفسه	امام صاحب کھڑے تھے اور اپنی داڑھی کو
و هو يقول يا من يجزی بمثقال	پکڑا ہوا تھا۔ آپ کہہ رہے تھے اے وہ
ذرة خير خيراً ويامن يجزی	ذات جو ذرہ بھر بھلائی کا بدلہ بھلائی سے
بمثقال ذرة شر شراً اجر النعمان	دینے والی ہے اور اے وہ ذات جو ذرہ بھر
عبدک من النار ومما يقرب	برائی کا بدلہ برائی سے دینے والی ہے۔
منها من السوء و ادخله فی سعة	اپنے بندے نعمان کو آگ سے پناہ میں

رحمتک۔	لے لے اور اسے اس برائی سے بچالے جو
(وفیات الاعیان ۵:۴۱۲)	اس آگ کے قریب کرنے والی ہے اور اسے اپنی رحمت کی وسعتوں میں داخل کرلے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے آذان دی اور قندیل بجھانے کے لیے اندر گیا تو امام ابوحنیفہؒ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تو نے میرا معاملہ دیکھ لیا ہے تو اسے خدارا میری خاطر پوشیدہ رکھنا۔ اس کے بعد آپ نے ہمارے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ جبکہ وہ اسی عشاء کے وضو میں تھے۔

اسی طرح اسی کتاب میں اسد بن عمر کا قول ہے:

صلی أبو حنیفة فیما حفظ علیه صلواة الفجر بوضو العشاء اربعین سنة و کان عامة لیلة یقرأ جمیع القران فی رکعة واحدة و کان یسمع بکاؤ فی اللیل حتی یرحم جیرانه و حفظ علیه أنه ختم القران فی الموضع الذی توفی فیه سبعة آلاف مرة۔	کہ امام ابوحنیفہؒ نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ رات کو عام طور پر وہ ایک رکعت میں تمام قرآن مجید پڑھ لیتے تھے۔ رات کو آپ اتنا روتے کہ آپ کی آہوں کی آواز جب ان کے ہمسایوں تک جاتی تو وہ بھی ان پر رحم کھاتے۔ علاوہ ازیں آپ کی یہ بات بھی محفوظ ہے کہ جس جگہ آپ کی وفات ہوئی۔ وہاں آپ نے سات ہزار مرتبہ قرآن ختم کیا تھا۔
(وفیات الاعیان ۵:۴۱۲)	

دوستو! ہم جس راستے کے مسافر ہیں اور جو منزل ہمارے پیش نظر ہے وہ اس کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم لوگ ان لوگوں کی زندگیوں سے سبق حاصل کریں۔ ہمارے اندر جب تک یہ تڑپ یہ درد و سوز اور عشق کی آگ پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک ہمارا کوئی حال نہیں۔ ہم بدحال

رہیں گے۔ جب تک ہم اپنے آنسوؤں سے اس حال کو سنوارنے کی کوشش نہ کریں گے۔ اپنے محبوب رب کو رات کی خلوتوں میں رو رو کر نہ منائیں گے جب تک اس کو یاد کر کے تڑپیں گے نہیں روح کی یہ بانسری نہیں بولے گی۔ ہماری یہ بانسریاں بند ہو چکی ہیں۔ انہیں پھر سے نغمے اور ترانے سنانے کے قابل بنائیں۔

جب یہ یاد تازہ ہو جائے گی تو پھر روح کی یہ بانسری ہمہ وقت ذکر محبوب میں نغمہ خواں رہے گی۔

حرف آخر

اس بانسری کے نغموں کو تازہ کرنے اور قلب و روح کو سوز و ساز سے آشنا کرنے کے لیے رات کا وہ پچھلا پہر مناسب ہے جب لوگ گہری نیند میں محوِ استراحت ہوتے ہیں۔ مگر دردمند اور محبوب کی یاد میں مضطرب لوگ اٹھ کر اپنے رب کی یاد میں روتے اور اس وطن کو یاد کرتے ہیں۔ بس وہ لمحات ہماری زندگی کے قیمتی لمحات ہوں گے جب ہم اپنے گناہوں کے آنسوؤں کا نذرانہ اپنے خالق و مالک حقیقی کی بارگاہ میں پیش کریں گے۔ اگر ہم اپنی زندگیوں کو اس ڈگر پر لانے میں کچھ قدر بھی کامیاب ہو گئے تو سمجھ لیجئے امت مسلمہ کی عظمت رفتہ بحال ہو سکتی ہے۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کاروان اسلام کو نہیں روک سکتی۔ مسلمانوں کی آنکھ سے گرتے ہوئے اس وقت کے آنسوؤں میں اتنی طاقت ہو گی کہ مخالفتوں اور مزاحمتوں کے بڑے بڑے پہاڑ بھی اس مشن کو نہیں روک سکیں گے بلکہ وہ اس اشکوں کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے۔

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین
١٣٩٦

ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی معرکہ آراء تصانیف (ستمبر 2003ء تک)

A قرآنیات

01۔عرفان القرآن (ترجمہ پارہ 1-20,30)

02۔عرفان القرآن (ترجمہ پارہ 1-15 جلد)

03۔تفسیر منہاج القرآن (سورۃ الفاتحہ، جزو اوّل)

04۔تفسیر منہاج القرآن (سورۃ البقرہ)

05۔حکمتِ استعاذہ

06۔تسمیۃ القرآن

07۔معارف الکوثر

08۔فلسفۂ تسمیہ

09۔معارفِ اسم اللہ

10۔مناهج العرفان فی لفظ القرآن

11۔لفظِ ربّ العالمین کی علمی و سائنسی تحقیق

12۔صفت رحمت کی شانِ امتیاز

13۔اسمائے سورۂ فاتحہ

14۔سورۂ فاتحہ اور تصورِ ہدایت

15۔اُسلوب سورۂ فاتحہ اور نظامِ فکر و عمل

16۔سورۂ فاتحہ اور تعلیماتِ طریقت

17۔سورۂ فاتحہ اور انسانی زندگی کا اعتقادی پہلو

18۔شانِ اوّلیت اور سورۂ فاتحہ

19۔سورۂ فاتحہ اور حیاتِ انسانی کا عملی پہلو (تصورِ عبادت)

20۔سورۂ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت

21۔فطرت کا قرآنی تصور

22۔لا اکراہ فی الدین کا قرآنی فلسفہ

23۔کنز الایمان کی فنی حیثیت

B- ایمانیات

24۔ارکانِ ایمان

25۔ایمان اور اسلام

26۔شہادتِ توحید

27۔حقیقتِ توحید و رسالت

28۔ایمان بالرسالت

29۔ایمان بالکتب

30۔ایمان بالقدر

31۔ایمان بالآخرت

32۔مومن کون ہے؟

33۔مناظرۂ ڈنمارک

C- اِلٰہیات

34۔اطاعتِ الٰہی

35۔ذکرِ الٰہی

36۔محبتِ الٰہی

37۔خشیتِ الٰہی اور اُس کے تقاضے

D- اِعتقادیات

38۔عقیدۂ توحید اور حقیقتِ شرک

39۔مسئلہ استغاثہ اور اُس کی شرعی حیثیت

40۔ایصالِ ثواب اور اُس کی شرعی حیثیت

41۔تصورِ بدعت اور اُس کی شرعی حیثیت

42۔عقیدۂ توسل

43۔عقیدۂ شفاعت

44۔عقیدۂ علمِ غیب

45۔شہرِ مدینہ اور زیارتِ رسول ﷺ

46۔عقیدۂ ختمِ نبوت اور فتنۂ قادیانیت

47۔ عقیدۂ ختمِ نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی

48۔ مرزائے قادیان اور تشریعی نبوت کا دعویٰ

49۔ مرزائے قادیان کی دماغی کیفیت

50۔ عقیدۂ ختمِ نبوت اور مرزائے قادیان کا متضاد موقف

51۔ خوابوں اور بشارات پر اعتراضات کا علمی محاکمہ

52۔ فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟

53۔ منافقت اور اُس کی علامات

54۔ سُنیت کیا ہے؟

55۔ منہاجُ العقائد

56۔ تصورِ استعانت

E۔ سیرت و فضائلِ نبوی ﷺ

57۔ مقدمہ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد اول)

58۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد دوم)

59۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد سوم)

60۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد چہارم)

61۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد پنجم)

62۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد ششم)

63۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد ہفتم)

64۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد ہشتم)

65۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد نہم)

66۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد دہم)

67۔ سیرتِ نبوی ﷺ کا علمی فیضان

68۔ سیرتِ نبوی ﷺ کی تاریخی اہمیت

69۔ سیرتِ نبوی ﷺ کی عصری و بین الاقوامی اہمیت

70۔ قرآن اور سیرتِ نبوی ﷺ کا نظریاتی و انقلابی فلسفہ

71۔ نورِ محمدی خلقت سے ولادت تک (میلاد نامہ)

72۔ تاریخ مولد النبی ﷺ

73۔ جشنِ عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت

74۔ جشنِ عید میلاد النبی ﷺ ائمہ و محدثین کے اقوال کی روشنی

75۔ حیاۃُ النبی ﷺ

76۔ فلسفۂ معراجُ النبی ﷺ

77۔ قرآن اور شمائلِ نبوی ﷺ

78۔ حسن سراپائے رسول ﷺ

79۔ الاربعین فی فضائل النبی الامین ﷺ

80۔ بُشریٰ للمؤمنین فی شفاعۃ سیدالمرسلین ﷺ

81۔ اسمائے مصطفیٰ ﷺ

82۔ خصائصِ مصطفیٰ ﷺ

83۔ شمائلِ مصطفیٰ ﷺ

84۔ برکاتِ مصطفیٰ ﷺ

85۔ معارف الشفاء بتعریف حقوق المصطفی ﷺ

86۔ تحفۃ السرور فی تفسیر آیہ نور

87۔ نور الابصار بذکر النبی المختار ﷺ

88۔ تذکارِ رسالت

89۔ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ (کائنات کی بلند ترین حقیقت)

90۔ فضیلتِ درود و سلام

91۔ ایمان کا مرکز و محور (ذاتِ مصطفیٰ ﷺ)

92۔ عشقِ رسول ﷺ وقت کی اہم ضرورت

93۔ عشقِ رسول ﷺ استحکامِ ایمان کا واحد ذریعہ

94۔ غلامیٔ رسول حقیقی تقویٰ کی اَساس

95۔ تحفظِ ناموسِ رسالت

96۔ اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ

F۔ عبادات

97۔ ارکانِ اسلام

98۔ فلسفۂ نماز

99۔آدابِ نماز
100۔نماز اور فلسفۂ اِجتماعیت
101۔نماز کا فلسفۂ معراج
102۔فلسفۂ صوم
103۔فلسفہ و اَحکامِ حج

G- روحانیات

104۔حقیقتِ تصوف (جلد اول)
105۔اِسلامی تربیتی نصاب (جلد اول)
106۔اِسلامی تربیتی نصاب (جلد دوم)
107۔سلوک و تصوف کا عملی دستور
108۔اَخلاقُ الانبیاء
109۔تذکرے اور صحبتیں
110۔حسنِ اَعمال
111۔حسنِ اَحوال
112۔حسنِ اَخلاق
113۔صفائے قلب و باطن
114۔فسادِ قلب اور اُس کا علاج
115۔زندگی نیکی اور بدی کی جنگ ہے
116۔ہر شخص اپنے نشۂ عمل میں گرفتار ہے
117۔ہمارا اَصلی وطن
118۔تربیت کا قرآنی منہاج
119۔جرم، توبہ اور اِصلاحِ اَحوال
120۔طبقاتُ العباد
121۔حقیقتِ اعتکاف

H- فقہیات

122۔منہاجُ المسائل
123۔نص اور تعبیرِ نص
124۔تحقیقِ مسائل کا شرعی اُسلوب
125۔اِجتہاد اور اُس کا دائرۂ کار
126۔عصرِ حاضر اور فلسفۂ اِجتہاد
127۔تاریخِ فقہ میں ہدایہ اور صاحبِ ہدایہ کا مقام

I- تعلیمات

128۔اِسلام کا تصورِ علم
129۔علم ..... توجیہی یا تخلیقی
130۔دینی اور لادینی علوم کے اِصلاح طلب پہلو
131۔تعلیمی مسائل پر انٹرویو
132۔تعلیماتِ اسلام

J۔ اِقتصادیات

133۔معاشی مسئلہ اور اُس کا اسلامی حل
134۔بلاسود بنکاری کا عبوری خاکہ
135۔بلاسود بنکاری اور اِسلامی معیشت
136۔بجلی مہنگی کیوں؟ IPPS کا معاملہ کیا ہے؟

K- جہادیات

137۔حقیقتِ جہاد
138۔جہاد بالمال
139۔فلسفۂ شہادتِ امام حسین علیہ السلام
140۔شہادتِ امام حسین علیہ السلام (حقائق و واقعات)
141۔شہادتِ امام حسین علیہ السلام ایک پیغام
142۔ذبحِ عظیم (ذبحِ اسمٰعیل علیہ السلام سے ذبحِ حسین علیہ السلام تک)

L- فکریات

143۔قرآنی فلسفۂ انقلاب (جلد اول)
144۔قرآنی فلسفۂ انقلاب (جلد دوم)
145۔مقصدِ بعثتِ انبیاء علیہم السلام

146۔ منہاجُ الافکار (جلد اول)
147۔ منہاجُ الافکار (جلد دوم)
148۔ منہاجُ الافکار (جلد سوم)
149۔ اِسلامی فلسفۂ زندگی
150۔ ہمارا دینی زوال اور اُسکے تدارک کا سہ جہتی منہاج
151۔ اِیمان پر باطل کا سہ جہتی حملہ اور اُس کا تدارک
152۔ دورِ حاضر میں طاغوتی یلغار کے چار محاذ
153۔ خدمتِ دین کی توفیق
154۔ قرآنی فلسفۂ تبلیغ
155۔ اِسلام کا تصورِ اِعتدال و توازن
156۔ حقوقِ والدین
157۔ اِسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام
158۔ نوجوان نسل دین سے دُور کیوں؟
159۔ عصرِ حاضر کے جدید مسائل اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری
160۔ تحریکِ منہاج القرآن 'اَفکار و ہدایات'
161۔ تحریکِ منہاج القرآن اِنٹرویوز کی روشنی میں
162۔ تحریکِ منہاج القرآن کی اِنقلابی فکر
163۔ روایتی سیاست یا مصطفوی اِنقلاب......!
164۔ اجتماعی تحریکی کردار کے چار عناصر
165۔ اہم انٹرویو

M- اِنقلابیات

166۔ نظامِ مصطفیٰ (ایک انقلاب آفریں پیغام)
167۔ حصولِ مقصد کی جدوجہد اور نتیجہ خیزی
168۔ پیغمبرانہ جدوجہد اور اُس کے نتائج
169۔ پیغمبرِ اِنقلاب اور صحیفۂ اِنقلاب
170۔ قرآنی فلسفۂ عروج و زوال
171۔ باطل قوتوں کو کھلا چیلنج
172۔ سفرِ اِنقلاب
173۔ مصطفوی اِنقلاب میں طلبہ کا کردار
174۔ سیرتُ النبی ﷺ اور اِنقلابی جدوجہد
175۔ مقصدِ بعثت انبیاء علیہم السلام

N- سیاسیات

176۔ سیاسی مسئلہ اور اُس کا اِسلامی حل
177۔ تصورِ دین اور حیاتِ نبوی ﷺ کا سیاسی پہلو
178۔ نیو ورلڈ آرڈر اور عالمِ اِسلام
179۔ آئندہ سیاسی پروگرام

O- قانونیات

180۔ میثاقِ مدینہ کا آئینی تجزیہ
181۔ اِسلامی قانون کی بنیادی خصوصیات
182۔ اِسلامی اور مغربی تصورِ قانون کا تقابلی جائزہ
183۔ اِسلام میں سزائے قید اور جیل کا تصور

P- شخصیات

184۔ پیکرِ عشقِ رسول سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ
185۔ الأربعین: القول الوثیق فی مناقب الصدیق رضی اللہ عنہ
186۔ فضائل و مراتبِ سیدنا فاروقِ اعظم
187۔ حبِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم
188۔ السیف الجلی علی منکر ولایة علی رضی اللہ عنہ
189۔ سیرتِ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالی عنہا
190۔ سیرتِ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا
191۔ سیرتِ سیدۂ عالم فاطمۃ الزہراء اللہ تعالی عنہا
192۔ الأربعین: الدرة البیضاء فی مناقب فاطمة الزهراء سلام الله علیها
193۔ الأربعین: مرج البحرین فی مناقب الحسنین علیهما السلام
194۔ القول المعتبر فی الإمام المنتظر
195۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور فلسفۂ خودی

196۔ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان (بریلوی) کا علمی نظم
197۔ اقبالؒ کا خواب اور آج کا پاکستان
198۔ اقبالؒ اور پیغام عشق رسول ﷺ
199۔ اقبال اور تصورِ عشق
200۔ اقبال کا مردِ مومن

Q- اسلام اور سائنس

201۔ اسلام اور جدید سائنس
202۔ تخلیق کائنات (قرآن اور جدید سائنس کا تقابلی جائزہ)
203۔ انسان اور کائنات کی تخلیق و ارتقاء
204۔ امراضِ قلب سے بچاؤ کی تدابیر
205۔ شانِ اولیاء قرآن اور جدید سائنس کی روشنی میں

R- عربی کتب

206۔ معهد منهاج القرآن
207۔ التصوّر الاسلامی لطبيعةِ البشرية
208۔ نهجُ التربيةِ الإجتماعيةِ فی القرآن
209۔ التصوّر التشريعی للحکم الإسلامی
210۔ فلسفةُ الإجتهاد و العالم المعاصر
211۔ الجريمة فی الفقهِ الإسلامی
212۔ منهاجُ الخطبات للعيدينِ و الجمعات
213۔ قواعدُ الإقتصادِ فی الإسلام
214۔ الإقتصاد الأربوی والنظام المصر فی الإسلامی

S- انگلش کتب

215. 'Irfan-ul-Qur'an (English Translation of Holy Quran, part-1)
216. Sirat-ur-Rasul, vol.1
217. The Ghadir Declaration
218. The Awaited Imam
219. Creation of Man
220. Islamic Penal System and its Philosophy
221. Beseeching for Help (*Istighathah*)
222. Islamic Concept of Intermediation (*Tawassul*)
223. Real Islamic Faith and the Prophet's Stature
224. Greetings and Salutations on the Prophet (saw)
225. Spiritualism and Magnetism
226. Islam on prevention of Heart Diseases
227. Islamic Philosophy of Human Life
228. Islam in Various Perspectives
229. Islam and Christianity
230. Islam and Criminality
231. Qur'anic Concept of Human Guidance
232. Islamic Concept of Human Nature
233. Divine Pleasure
234. Qur'anic Philosophy of Benevolence (*Ihsan*)
235. Islam and Freedom of Human Will
236. Islamic Concept of Law
237. Philosophy of Ijtihad and the Modern World
238. Qur'anic Basis of Constitutional Theory
239. Islam - The State Religion
240. Legal Character of Islamic Punishments
241. Legal Structure of Islamic Punishments
242. Classification of Islamic Punishments
243. Islamic Philosophy of Punishments
244. Islamic Concept of Crime
245. Qur'an on Creation and Expansion of Universe
246. Creation and Evolution of the Universe

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتب درج ذیل شہروں میں دستیاب ہیں

لاہور (پنجاب)

نمبر شمار	نام کتب خانہ
1	منہاج القرآن پبلی کیشنز، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، 38۔ اردو بازار لاہور فون:7320682-7312801
2	فیروز سنز مال روڈ لاہور فون 98-6301196
3	ماورا بکس مال روڈ لاہور فون 6303390
4	ملٹی لائن بکس ریگل چوک لاہور فون 7353564
5	ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور فون 7221953
6	سنگِ میل پبلی کیشنز لوئر مال لاہور فون 7220100
7	اپ ٹاؤن بکس ڈیفنس کمرشل ایریا لاہور فون 5727140
8	پبلشرز یونائیٹڈ انارکلی لاہور فون 7352238
9	مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور فون 7237500
10	اسلام بکڈپو گنج بخش روڈ لاہور فون 7352795
11	اظہار سنز اردو بازار لاہور فون 7357579
12	شیخ غلام حسین اینڈ سنز اردو بازار لاہور فون 7247292
13	ملک بک ڈپو شالامار چوک باغبانپورہ لاہور فون 6815394
14	اپالو بک سینٹر پاکستانی بازار باغبانپورہ لاہور فون 6813120
15	مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ مرکز اویس بھائی لاہور فون 7113653
16	مکتبہ نبویہ رضویہ گنج بخش روڈ لاہور
17	الائیڈ بک کمپنی ریگل چوک لاہور
18	مشتاق بک کارنر اردو بازار لاہور

راولپنڈی۔ اسلام آباد

نمبر شمار	نام کتب خانہ
1	مسٹر بکس اسلام آباد فون 278843

2 بک ٹاؤن F-10 مرکز اسلام آباد فون 299604
3 پیر بک سینٹر آب پارہ اسلام آباد فون 270064
4 احمد بک کارپوریشن اردو بازار راولپنڈی فون 558320
5 مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار راولپنڈی فون 552781
6 مکتبہ ملت فیصل مسجد اسلام آباد فون 254111

متفرق سیل پوائنٹس

1 قدیمی اسلامی کتب خانہ خدایار اندرون بوہڑ گیٹ ملتان فون
2 کارواں بک سینٹر ڈیفنس ملتان فون 544714
3 منہاج کمپیوٹرز کلب روڈ وہاڑی
4 مکتبہ اسلامیہ لالہ موسیٰ فون 512453
5 اقراء بک سیلرز رسول پلازہ کارنر امین پور بازار فیصل آباد
6 الامداد کتب خانہ چیچاوطنی ساہیوال
7 مکتبہ نوریہ قصور
8 وحید کاپی ہاؤس اردو بازار لاہور
9 بک کارنر مین بازار جہلم
10 طارق بک سینٹر شاندار چوک جہلم
11 حافظ بک ایجنسی اقبال روڈ سیالکوٹ
12 جاوید بک ڈپو اردو بازار شیخوپورہ
13 چوہدری امانت علی اینڈ سنز ریلوے روڈ رحیم یار خان
14 مکتبہ سعیدیہ رضویہ نیو الٰہی مارکیٹ فوارہ چوک گجرات
15 فاروق سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں

سرحد

1. یونیورسٹی بک ڈپو خیبر بازار پشاور
2. مدینہ بک بنک G-30 بلور پلازا پشاور کینٹ

بلوچستان

1. بلال کلینک ابراہیم سٹریٹ میکانگی روڈ کوئٹہ بلوچستان فون 844313

حیدر آباد (سندھ)

1. ہاشمیہ بک سنٹر گاڑی کھاتہ حیدر آباد سندھ فون 28769
2. جاپان کلاتھ ہاؤس تلک چاڑی روڈ حیدر آباد سندھ فون 619534

سکھر

1. کتاب مرکز سکھر (سندھ) فون 25755
2. قادری بک سٹور نیم کی چاڑی اردو بازار سکھر فون 26420

کراچی

1. عباسی کتب عباسی جونا مارکیٹ کراچی فون 7526456
2. مکتبہ المدینہ اردو بازار کراچی فون 2628331
3. محمد سعید اینڈ سنز اردو بازار کراچی فون 213117
4. علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی فون 218713
5. ویلکم بک پورٹ اردو بازار کراچی
6. مکتبہ برھان اردو بازار کراچی فون 2636569
7. دار الاشاعت اردو بازار کراچی فون 2631861
8. رحمٰن بک ہاؤس اردو بازار کراچی فون 7766751

دورِ حاضر کے عظیم اسلامی مفکر، مفسر، معلم اور مصلح نابغہ عصر پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری پاکستان کے شہر جھنگ میں 1951ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اور قانون کے امتحانات اعلیٰ ترین اعزازت کے ساتھ پاس کئے۔ 1986ء میں پنجاب یونیورسٹی نے آپ کو "Punishments in Islam, Their Calssification and Philosophy" کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری دی۔ آپ نے قدوۃ الاولیاء سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی ؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور ان سے طریقت و تصوف کی تربیت اور روحانی فیضان حاصل کیا۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے والد ماجد ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ، مولانا ضیاء الدین مدنیؒ، مولانا احمد سعید کاظمیؒ، ڈاکٹر برہان الدین احمد فاروقیؒ اور امام محمد بن علوی المالکی جیسے عظیم المرتبت علماء شامل ہیں۔ آپ پنجاب یونیورسٹی لاء کالج میں قانون کے استاد رہے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر ہزاروں لیکچرز دیے جو اسلام کے مذہبی، روحانی، تاریخی، اخلاقی، قانونی، شرعی، سیاسی، معاشی، اقتصادی، سماجی، سائنسی اور تقابلی مطالعہ جیسے متنوع موضوعات پر محیط ہیں۔ آپ بیرون ممالک مختلف یونیورسٹیوں میں بھی وقتاً فوقتاً مختلف علمی، فکری اور عصری موضوعات پر لیکچرز دیتے رہتے ہیں۔ آپ کی 300 سے زائد تصانیف اردو، انگریزی اور عربی منظر عام پر آچکی ہیں۔ آپ کی کئی تصانیف کا دنیا کی اکثر زبانوں میں ترجمہ بھی ہوچکا ہے۔ جب کہ آٹھ سو سے زائد مسودات طباعت کے مختلف مراحل میں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے لیکچرز عالم عرب اور مغربی دنیا کے مختلف ٹی وی چینلز سے بھی نشر کئے جاتے ہیں۔

آپ کی قائم کردہ تحریک منہاج القرآن دنیا کے 80 سے زائد ممالک میں فروغ پذیر ہوچکی ہے جو دنیا بھر میں احیائے ملتِ اسلامیہ اور اتحادِ امت کے عظیم مشن کیلئے مصروفِ عمل ہے۔ آپ نے پاکستان میں عوامی تعلیمی منصوبہ کی بنیاد رکھی جو غیر سرکاری سطح پر دنیا بھر کا سب سے بڑا تعلیمی منصوبہ ہے۔ آپ کی قائم کردہ سیاسی جماعت "پاکستان عوامی تحریک" ملک میں رواداری، برداشت اور اصول پسندی پر مبنی صحتمند سیاسی روایت کی تشکیل میں گراں قدر کردار ادا کر رہی ہے۔ آپ عالم اسلام کی بین الاقوامی پہچان کی حامل شخصیت ہیں جنہیں اتحاد، امن اور بہبود انسانی کے سفیر کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ بہبود انسانی کے لئے آپ کی علمی، فکری اور سماجی خدمات کا بین الاقوامی سطح پر اعتراف کیا گیا ہے۔ امریکی بائیوگرافیکل انسٹیٹیوٹ نے آپ کو "بیسویں صدی کی نمایاں ترین شخصیت" (Outstanding Man of the 20th Century) قرار دیا ہے اور دنیا کے نمایاں دانشور و مفکر کے طور پر آپ کا نام میلینیم بائیوگرافیکل ڈکشنری میں شامل کیا گیا ہے۔ آپ کو تحقیق و تصنیف اور انسانی بہبود کے لئے کاوشوں پر دوسرے میلینیم کے خاتمہ پر 500 موثر ترین راہنماؤں میں شامل کیا گیا ہے۔ آپ کی تعلیمی و سماجی خدمات پر انٹرنیشنل بائیوگرافیکل سنٹر کیمبرج نے آپ کو سال 99-1998ء کی شخصیت قرار دیا ہے۔ ماضی قریب میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ فرد واحد نے اپنی دانش و فکر اور عملی جدو جہد سے فکری و عملی سطح پر ملت اسلامیہ کی فلاح کیلئے اتنے مختصر وقت میں اتنی بے مثال خدمات انجام دی ہوں۔ بلاشبہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری ایک فرد نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ کی تاریخ کے دورِ نو کے مؤسس اور تابندہ و روشن مستقبل کی نوید ہیں۔